© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

مولانا عبید اللہ سندھی کا سفرِ ماسکو اور اس کا پس منظر

(آخری قسط)

یہ سفر نہایت اطمینان سے طے ہو رہا تھا اور قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا دریائی سفر شروع کیا تو خیال تھا کہ چوتھے روز کرکی پہنچ جائیں گے اس لئے کھانے پینے کا اتنا ہی سامان لیا تھا جو تین چار روز کے لئے کافی ہو جائے لیکن دو روز سفر کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ کشتی کی اوسط رفتار کم ہے اور اس رفتار سے کسی بھی صورت میں چوتھے روز کرکی نہ پہنچ سکیں گے اور راستے میں کہیں سے کھانے پینے کا کوئی سامان حاصل ہونے کی بھی امید نہ تھی اس لئے مشورے کے بعد راشن بندی کر دی گئی۔ اس کام کے لئے مولانا نے ظفر حسن کو مقرر فرمایا اب ایک ڈیڑھ دن کا جو راشن باقی تھا اسے کم از کم چار دن چلانا تھا۔ چونکہ قافلے میں تمام پڑھے لکھے نوجوان تھے اور ان میں سے کسی کو اس قسم کی مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا اس لئے یہ انتظار طبیعتوں پر نہایت شاق گزرا لیکن اس کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔ اب ہر ایک کو اوسط خوراک کا ایک تہائی ملنا شروع ہوا جہاں تک تکلیف اور بھوک کی شدت کا سوال ہے سب ایک کشتی میں سوار تھے۔ کسی کا بھی پیٹ نہ بھرتا تھا لیکن ڈاکٹر نور محمد اور خوشی محمد چونکہ ڈیل ڈول میں دوسرے سے بھاری تھے اسی طرح ان کی خوراک بھی سب سے زیادہ تھی، انھیں بھوک کی سخت تکلیف ہوتی تھی اور وہ ماہی بے آب کی طرح کشتی میں تڑپنے لگتے تھے لیکن یہ بات کسی طرح ممکن نہ تھی کہ انھیں ان کے حصے سے زیادہ راشن دیا جاتا۔ بعض اوقات وہ ظفر حسن کی خوشامد کرنے لگتے، لیکن ظفر حسن صاحب نے ان سے قریبی و قلبی تعلقات کے باوجود کبھی ان کے حصے سے زیادہ راشن نہ دیا۔ مولانا مرحوم نے بھی اسی پر صبر کیا جو انھیں دیگر ساتھیوں کی طرح تھوڑا بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصے میں ملتا تھا۔ مولانا نے نہایت صبر کے ساتھ یہ دن گزارے وہ راستے میں دوسرے نوجوانوں کو بھی صبر و ضبط کی تلقین کرتے انھیں تسلی دیتے اور ان کی ہمت بندھاتے رہے۔

خدا خدا کر کے ساتویں دن یہ کشتی اپنی منزل مقصود پر پہنچی کرکی کی آبادی یہاں سے آٹھ نو میل کے فاصلے پر تھی سامان کشتی سے اتار کر ایک گھوڑا گاڑی میں لادا گیا اور شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

دو ڈھائی گھنٹے کے سفر کے بعد ہندوستانی انقلابیوں کا یہ قافلہ کرکی پہنچا۔ یہاں بخارا کی طرف سے ایک مسلمان حاکم تھا وہ انقلاب پسندوں کے اس قافلے سے اچھی طرح پیش آیا۔ رات اس قافلے نے یہیں بسر کی۔ حاکم نے سرکاری مہمان کی حیثیت میں بخارا تک کے لئے اس قافلے کے سفر کا انتظام کرایا۔ دوسرے روز یہ قافلہ پھر روانہ ہوا۔ کرکی کا اسٹیشن دریا کی دوسری طرف تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر تھا دریا عبور کرنے کے لئے ان دنوں کرکی شہر اور اسٹیشن کے درمیان کوئی پل نہ تھا۔ لوگ کشتیوں کے ذریعے دریا پار کرتے تھے۔ یہ قافلہ سخت جاں بھی ایک کشتی میں سوار ہو کر دوسرے کنارے پر پہنچا اور دو تانگے کرائے پر حاصل کر کے ان میں سامان لادا گیا اور قافلہ اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔

ظفر حسن صاحب نے لکھا ہے کہ گھوڑا گاڑی جس میں سامان لادا گیا تھا اس کے پہیے ہمارے ہاں کی بیل گاڑیوں کے پہیوں سے بھی کوئی دو گنا بڑے تھے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس علاقے میں بڑے پہیوں کی گاڑیاں استعمال کرنا ضروری بھی تھا کہ اس علاقے میں پختہ سڑکیں نہ تھیں۔ دلدلی زمین تھی اس لئے چھوٹے پہیوں کا استعمال کرنا ناممکن تھا۔

اسٹیشن کو جاتے ہوئے انھیں ایک جنگل سے گزرنا پڑا وہاں انھوں نے ایک روسی دیکھا۔ ظفر حسن صاحب نے اس کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"اس کی وردی بہت ہی میلی تھی اور چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس نے ہفتہ بھر سے منہ بھی نہیں دھویا ہے۔ اس کی صورت نہایت ہی ڈراونی تھی۔ غالباً اس کو راشن بھی کافی نہ ملتا تھا کیونکہ اس کے کلے پچکے ہوئے تھے اور چہرے کی ہڈیاں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ یہ سپاہی اس بھیانک جنگل میں امن و امان کا ضامن تھا۔ غالباً اس کے فوجی دستے کا حال بھی ایسا ہی زبوں ہوگا"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس قافلے کی حالت بھی اس سپاہی کی حالت سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ ایک ہفتے کے مسلسل دریائی سفر نے اور پانچ دن کے فاقوں نے سب کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ ستے ہوئے چہرے گال پچکے اور چہرے کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ بہرحال دو ڈھائی گھنٹے کے بعد یہ قافلے کرکی اسٹیشن پر پہنچ گیا۔

کرکی کے اسٹیشن پر نہ کوئی مزدور تھا اس لئے سامان سب کو خود ہی اٹھانا پڑا۔ کابل سے روانہ ہوئے تھے تو ہر کسی نے صرف ضروری اور ایسا سامان لیا تھا جس کے بغیر گزر ہی نہ ہوسکتی تھی۔ لیکن یہ ضروری اور ناگزیر سامان بھی کافی ہوگیا تھا اور کچھ سامان اتنا وزنی تھا کہ ایک شخص سے اس کا اٹھنا مشکل تھا۔ اب انتظام یہ کیا کہ مولانا کو اسٹیشن کی عمارت کے اندر جہاں سامان رکھنا تھا لے جاکر کھڑا کر دیا ایک دو ساتھیوں کو وہاں سامان کے پاس چھوڑا جہاں گھوڑا گاڑی سے اتار کر جمع کیا تھا باقی صاحبوں نے مل جل کر سامان اٹھانا اور اندر پہنچانا شروع کیا۔ چند پھیروں میں سامان اندر پہنچ گیا لیکن سامان کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ظفر حسن کا بکس غائب ہے۔ یاد تھا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اندر لایا گیا تھا لیکن پھر کیا ہوا؟ اس کا کوئی جواب نہ ملتا تھا۔ خیال یہ ہوا کہ کسی چور نے مولانا مرحوم کی نظر بچا کر پار کر دیا۔ ظفر حسن پر تو اس واقعے سے بجلی گر گئی وہ سخت رنجیدہ تھے۔ واقعی ان کے لئے یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ اس میں ان کپڑوں کے علاوہ اور ضروری سامان بھی تھا۔ اس میں وہ دو سوٹوں کا نہایت عمدہ کپڑا بھی تھا جو انھیں سپہ سالار جنرل محمد نادر خان کے بھائی سردار محمد ہاشم خان نے تحفے کے طور پر دیا تھا۔ اس کا بھی انہیں بہت رنج تھا لیکن اب اس کا علاج کسی کے پاس نہ تھا۔ خوشی محمد ٹوٹی پھوٹی روسی زبان جانتا تھا اور یہ ممکن تھا کہ پولس وغیرہ کو اس چوری کی اطلاع دے کر اس کی مدد حاصل کی جائے۔ لیکن اس میں وقت لگتا اور کامیابی کی امید پھر بھی نہ تھی گاڑی آنے میں زیادہ دیر نہ تھی۔ اس لئے سب نے ظفر حسن کو سمجھایا اور تسلی دی اور بعض دوستوں نے یہ پیش کش بھی کی کہ وہ ضرورت کے مطابق ان کے کپڑے لے لیں اور بے تکلف استعمال کریں لیکن ظفر حسن کے نزدیک یہ ایک بڑی معیوب بات تھی۔ ابھی تک انھوں نے جس قسم کی زندگی گزاری تھی اس میں وہ کسی کے ممنون نہ ہوئے۔ اب انھیں دوسروں کی امداد قبول کرنی پڑ رہی تھی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ مجبوراً روس کے سفر اور زمانہ قیام میں انھیں کچھ دنوں تک دوستوں کے انھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کپڑوں پر گزارا کرنا پڑا جو ان کے جسم پر ٹھیک آئے۔

تھوڑی دیر کے بعد گاڑی آئی اور سب لوگ اس میں سوار ہوگئے لیکن ظفر حسن کی حالت دیدنی تھی وہ اگرچہ بڑے باہمت اور حوصلہ مند نوجوان تھے لیکن ایک ایسے سفر میں جس کی نہ کوئی منزل تھی نہ مستقبل کا پتا تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے وطن سے ہزاروں میل دور تھے اور جس ملک کی ایک مدت تک خدمت کی تھی اور جس کی آزادی کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا تھا وہاں سے نکال دیئے گئے تھے جس ملک میں سفر کر رہے تھے وہاں کوئی شناسا تو کیا بات کا سننے والا اور سمجھنے والا بھی نہ تھا جس شخص (خوشی محمد) سے اس سفر میں تھوڑی مدد کی امید تھی اس کا دل کھوٹ سے خالی نہ تھا۔ اس کا مزاج مزار شریف میں روسی قونصل سے ملاقات کے بعد ہی بدل گیا تھا۔ اور اب جو ہمدردی کا اظہار تو معلوم تھا کہ وہ یہ محض دکھاوا تھا۔ صرف ایک مولانا کی ذات تھی جو انھیں مایوسی کے اتھاہ سمندر میں ڈوب جانے سے بچا رہی تھی۔ مولانا انھیں تسلی دے رہے تھے، ان کی ہمت بڑھا رہے تھے ان کے دل بہلانے کے لئے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ ان کا غم غلط کر رہے تھے کرکی سے یہ گاڑی شام کے وقت روانہ ہوئی تھی۔ چونکہ گاڑی کے ساتھ کھانے کا ڈبہ لگا ہوا نہیں تھا۔ اس لئے کھانے پینے کی چیزیں اسٹیشن ہی سے خرید لی گئی تھیں۔

کرکی سے ریل کے اس سفر میں انقلابیوں کی حیثیت سے یہ تمام لوگ روسی حکومت کے مہمان تھے اور انھیں ریل کے سیکنڈ کلاس میں سفر کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس زمانے میں روسی ریلوں میں صرف فرسٹ اور سیکنڈ کلاس کے دو ہی قسم کے ڈبے ہوتے تھے۔ فرسٹ کلاس میں سیٹ کے تختوں پر ایک نرم گدا ہوتا تھا۔ اور سیکنڈ کلاس میں سیٹ کا صرف تختہ ہوتا اس پر کسی قسم کا گدا نہ ہوتا تھا۔ اس کی حالت ہمارے یہاں کی ریل کی تھرڈ کلاس سے کسی صورت میں بھی اچھی نہ تھی۔ سرکاری مہمانوں کی اس حیثیت پر جس میں سیکنڈ کلاس (یعنی آخری ڈبے) کا ٹکٹ دیا گیا تھا۔ سب کا جی کڑھتا تھا لیکن کیا کیا جا سکتا تھا۔ سرکاری مہمانوں کی حیثیت کا تعین خوشی محمد (محمد علی) صاحب کی حیثیت سے لگایا گیا تھا اور روسی حکومت کی نظر میں ان کی جو حیثیت تھی۔ اس کا اندازہ پٹاکیسر (ترمز) ہی میں ہوگیا تھا اس لئے مولانا سندھی اور ان کے رفقاء کو اس پر کوئی شکایت بھی نہ تھی۔

لمبا سفر کرنے والوں کو ایک رعایت یہ ملتی تھی کہ انھیں اس ڈبے میں سفر کرنے کی اجازت ہوتی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسے سونے کی گاڑی یا سلیپنگ کار کہا جاتا تھا۔ مولانا کا سفر چونکہ دو راتوں اور ایک دن کا تھا۔ اس لئے وہ سلیپنگ کار میں سوار ہوئے۔ سلیپنگ کار کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا ہر حصے میں چار سیٹیں اوپر نیچے ایک دوسری کے مقابل ہوتی تھیں۔ اس لئے مولانا اور ان کے رفقائے سفر تین ڈبوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک ڈبے میں مولانا اور ان کے ساتھ ڈاکٹر نور محمد ظفر حسن اور عزیز احمد تھے دوسرے میں اقبال شیدائی، عبدالرشید اور عمر ظفر مسعود اور تیسرے میں خوشی محمد، عبدالعزیز اور بنرجی موجود تھے۔

راستے میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا لیکن ظفر حسن صاحب کے لئے یہ سفر بہت تلخ رہا۔ انھیں ہر وقت اپنی بے سروسامانی کا خیال آتا رہا۔

دو راتوں اور ایک دن کے بعد تیسرے روز صبح کو یہ قافلہ بخیر و خوبی بخارا پہنچ گیا۔ جہاں سے روسی گورنمنٹ کے مہمان کی حیثیت سے ایک کوٹھی میں ٹھہرایا گیا جو ایک باغ میں تھی۔ یہ ایک پر فضا مقام تھا۔ اس کوٹھی میں مولانا اور ان کے ساتھیوں نے دو روز اس کوٹھی میں قیام کیا اس لئے کہ اس سے پہلے ماسکو جانے والی گاڑی میں جگہ نہ ملی۔ دن میں شہر میں گھومنے پھرنے کی پوری آزادی تھی۔ بخارا ایک زمانے میں اسلامی تہذیب کا مرکز تھا۔ یہاں بڑے بڑے مدارس تھے امام بخاری جیسے عالم اور محدث کے مولد و وطن ہونے کا اسے شرف حاصل تھا۔ بڑے بڑے مشائخ و فلاسفہ نے خاک بخارا کو سرمۂ چشم بصیرت سمجھا۔ یہاں کی علمی، تہذیبی اور صوفیانہ روایات تمام علمی اور اسلامی دنیا میں قابل تقلید سمجھی جاتی تھیں لیکن اس کی مسجدیں ویران تھیں اور مدرسوں کا پتہ نہ تھا۔ علمی و تہذیبی روایات کتابوں میں اور علمی و دینی شخصیات زمین میں مدفون ہو چکی تھیں اب یہ ایک ویران سا قصبہ تھا۔ بازاروں میں بھی کوئی چہل پہل نہ تھی دکانیں سامان سے خالی تھیں۔ ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں:-

> "دیہاتی ترکن جو لمبے لمبے چغے اور سر پر بڑے بڑے بالوں والی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے جن سے ان کی شکلیں بڑی ڈراونی سی معلوم ہوتی تھیں۔ کچھ کھانے پینے کی چیزیں بیچنے کے لئے بازار میں لائے ہوئے تھے۔ ان مکھیوں پر بہت بھیڑ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ شہر کے لوگ اپنی ضروریات زندگی کو انھیں دیہاتیوں کی لائی ہوئی چیزوں کو خرید کر پورا کرتے ہیں۔ ہر طرف افراتفری معلوم ہوتی تھی۔ صفائی کا کوئی انتظام نہ تھا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بخارا میں مولانا کا قیام آٹھ روز رہا۔ یہاں کے قیام کے دوران کسی قسم کی تکلیف یا کوفت نہیں ہوئی بخارا حکومت کے مہمان کی حیثیت سے نہایت آرام و آسائش سے یہ آٹھ دن گزارے۔ لیکن یہ تمام آسائش اقبال شیدائی صاحب کی وجہ سے تھی انہوں نے کابل چھوڑنے سے پہلے حکومت بخارا کے سفیر مقیم کابل قاری ہاشم کا تعارفی خط حکومت کے نام لے لیا تھا۔ قاری ہاشم سے اقبال شیدائی کے دوستانہ مراسم تھے۔ خوشی محمد سے اس خط کا کابل میں تذکرہ آیا تھا تو اس نے بڑی رعونت سے کہا تھا کہ "کیا پدی کیا پدی کا شوربا" لیکن بخارا پہنچ کر یہی خط اس کی اور سب کی عزت و توقیر اور آرام و آسائش کا باعث بنا۔ اقبال شیدائی صاحب لکھتے ہیں :-

"بخارا ریلوے اسٹیشن پر ہم نے سامان رکھا اور پھر میں نے مولوی عبدالرشید کو ساتھ لیا اور بخارا کے وزارت خارجہ کا راستہ لیا۔ وزارت کے اعلیٰ افسر کو میں نے قاری ہاشم کا خط پیش کیا۔ اس نے خط پڑھ کر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور دریافت کیا کہ آپ لوگ کہاں ٹھہرے ہیں۔ جب میں نے اسے بتایا کہ سامان اور سب ساتھی اسٹیشن پر ہیں تو اس نے فوراً حکم دیا کہ انہیں چار گاڑیاں دی جائیں گاڑیاں فوراً آگئیں پھر وزارت کے دو افسروں کو ہمارے ساتھ کیا گیا انہوں نے ہماری رہائش کے لئے وہ عالی شان مکان تجویز کیا جس میں پہلے انور پاشا رہا کرتے تھے۔ مکان دکھا کر یہ دونوں افسر ہمارے ساتھ ریلوے اسٹیشن آئے۔ محمد علی (خوشی محمد) وغیرہ ہمیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پھر سب کو لے کر ہم واپس اسی مکان میں آئے ہمیں علیحدہ علیحدہ کمرہ دیا گیا۔ ڈرائنگ روم نہایت شاندار تھا اور خوب سجا ہوا تھا۔ ہمارے کھانے پینے کے لئے بھی نہایت معقول انتظام کیا گیا تھا اور دونوں وقت کا کھانا حکومت کی جانب سے آتا تھا"۔

خوشی محمد کو خلاف توقع پٹا کیسر کے حاکم کی سرد مہری سے جو خجالت ہوئی تھی اس میں حکومت بخارا کی مہمان نوازی اور اس عزت و توقیر سے اور اضافہ ہو گیا لیکن بجائے اس کے کہ وہ حکومت بخارا کا شکر گزار ہوتا اور اقبال شیدائی کا احسان مند ہوتا جس کی وجہ سے یہ آرام و آسائش اور عزت و توقیر نصیب ہوئی تھی اس کے دماغ میں ایک اشتعال پیدا ہو گیا اور اس اشتعال کا اظہار اس وقت بھی ہوا جب ایک روز پلاؤ میں مکھی نکل آئی تھی اور اس نے حکومت بخارا کو اس پر غلیظ گالیاں دینی شروع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردی تھیں اور بعد میں جب یہ قافلہ ماسکو پہنچ گیا تو اس نے دشمنی کی انتہا کر دی۔ اقبال شیدائی نے اس کی ان حرکتوں سے تنگ آ کر مولانا مرحوم سے تذکرہ کیا کہ وہ ترکی چلے جانا چاہتے ہیں خوشی محمد کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس نے زینیوف کے سکریٹری کامریڈ ٹول سے کہا کہ شیدائی کا روس سے باہر جانا انتہائی خطرناک ہوگا اسے گرفتار کر لیا جائے ٹول نے اس کا تذکرہ مولانا سے کیا مولانا نے فرمایا:۔

"شیدائی کے ساتھ کوئی برا سلوک ہوا تو ہندوستان کے مسلمان لیڈروں پر جو شیدائی کو بہت عزیز رکھتے ہیں، سخت برا اثر پڑے گا"

ٹول نے کہا ہم محمد علی (خوشی محمد) کی باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیتے۔ کیونکہ افغانستان میں متعین روسی سفیر نے شیدائی کے بارے میں بہت اچھی رپورٹ بھیجی ہے۔

بہر حال یہ تو بعد کی بات ہے کہ کچھ دنوں کے بعد اقبال شیدائی نے مولانا کے مشورے سے اور خوشی محمد کی شریر طبیعت کے خوف سے مجبور ہو کر ماسکو کو خیر باد کہا اور ترکیہ چلے گئے یہ حالات و واقعات قیام ماسکو کے زمانے کے حالات کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے:۔

بخارا کے قیام کے دوران میں خوشی محمد کی ایک اور ناشائستہ حرکت کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پہلے روز ہی شام کے کھانے کے بعد خوشی محمد مولانا کے پاس انکے کمرے میں گیا اور روس میں ان کے آئندہ رویے اور سیاسی کاموں کے بارے میں بات چیت شروع کر دی۔ ظفر حسن صاحب کے بقول:۔

"اس نے جو رویہ اختیار کیا اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مولانا کو اپنے اصولوں کے مطابق کام کرنے اور اپنی رہنمائی میں چلنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھانی چاہتا ہے کہ وہ اگر کمیونزم کی تائید نہ کریں گے اور کمیونسٹوں کی رہنمائی قبول نہ کریں گے تو روس میں ان کو روٹی بھی نہ ملے گی۔ اس لئے کہ وہاں تو مذہبی پیشواؤں اور پابند مذہب لوگوں کے لئے رہنا بھی ناممکن ہے"

خواہ حقیقت یہی ہوتی لیکن خوشی محمد کا رویہ انتہائی تکلیف دہ تھا۔ مولانا نے افغانستان میں سالہا سال تک خوشی محمد کے کمیونسٹ ہونے کے باوجود اس کی حمایت کی تھی۔ اس کے کابل میں ٹھہرنے کا انتظام کیا تھا۔ اس کی کارروائیوں کی ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔ یہ شخص مولانا کا شاگرد رہ چکا تھا۔ مدت تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا کے سامنے اس نے زانوئے ادب طے کیا تھا۔ آج یہ شخص مولانا سے اس کا متوقع تھا کہ وہ اس کی رہنمائی میں کام کریں اور کہتا تھا کہ اگر انھوں نے اس کی رہنمائی کو قبول نہ کیا تو ان کو روس میں روٹی بھی نہ ملے گی!

مولانا کو اس رویے سے جو تکلیف ہوئی ہوگی اس کا اندازہ کرلینا کچھ مشکل نہیں لیکن مولانا نے نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اس کی ان باتوں کو سن لیا اور صرف یہ کہا کہ دیکھیں خدا آیندہ کیا کرتا ہے۔ مشیت ایزدی میں کوئی کیا دخل دے سکتا ہے۔

ظفر حسن صاحب کو چونکہ مولانا سے ایک خاص قلبی لگاؤ تھا اس لئے انھیں اس گفتگو کے بارے میں علم ہوا تو بہت رنج ہوا۔ انھوں نے بھی خوشی محمد سے تو کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا البتہ ان کے پاس جو ۲۵ پونڈ ابھی تک تھے وہ انھوں نے مولانا کی خدمت میں پیش کر دیے تاکہ مولانا دل جمعی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہیں اور ان کا خوشی محمد کی باتوں سے دل گمگین نہ ہو ظفر حسن صاحب لکھتے ہیں:۔

"میرے لئے قبلہ مولانا کی خدمت میں ایسی چھوٹی سی رقم پیش کرنا کوئی بڑا کارنامہ نہ تھا کیونکہ قبلہ مولانا صاحب میرے استاد تھے جنھوں نے مجھے تعلیم قرآن سے فیض پہنچایا تھا اور میرا کریکٹر بنانے میں میری مدد کی تھی۔ ان میں جتنی بھی خدمت کرتا کم تھی۔ یہ چھوٹی سی خدمت میرے لئے باعث سرفرازی تھی۔

بخارا میں ایک اور قابل ذکر واقعہ یہ پیش آیا کہ قافلے کے ایک رکن عبدالرشید نے فیصلہ کیا کہ وہ بخارا ہی میں قیام کرے گا۔ بخارا میں عبدالرشید کے قیام کی دو وجہیں تھیں۔

اولاً یہ کہ بخارا میں روس کے دوسرے حصوں کی بہ نسبت زیادہ مسلمان آباد تھے۔

ثانیاً ظفر حسن اور عبدالرشید کا ایک ساتھی جو گورنمنٹ کالج لاہور میں ان کے ساتھ پڑھتا تھا اور کابل سے دوسرے مہاجروں کے ساتھ پہلے ہی بخارا آکر مقیم ہو چکا تھا اس نے عبدالرشید کو وہاں ٹھہرنے کی ترغیب دی۔

قافلے کے دوسرے افراد کو عبدالرشید کے بچھڑنے کا بہت رنج ہوا کیونکہ وہ ایک مونس اور خوش اخلاق شخص تھا۔ لیکن یہ لوگ ابھی ماسکو ہی میں تھے کہ اطلاع ملی کہ عبدالرشید بخارا میں گذارا نہ کرسکا اور ایران کے راستے ہندوستان چلا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال بخارا میں آٹھ روز قیام کرنے اور حکومت بخارا کے مہمان نوازی کا لطف اٹھانے کے بعد ہندوستانی حریت پسندوں کا یہ قافلہ تاشقند جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچا۔

اقبال شیدائی صاحب خوشی کے رویے سے بہت پژمردہ اور دل برداشتہ تھے ڈاکٹر نور محمد نے ان سے ان کی خاموشی کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا اپنے دل سے پوچھیے یا محمد علی (خوشی محمد) اور ظفر حسن سے سوال کیجئے شیدائی صاحب نے یہ بھی کہا کہ :-

"آپ لوگ میری خوشامد کرکے مجھے کابل سے لائے ہیں حالانکہ میں اگر چاہتا تو وہاں رہ سکتا تھا اور ترک سفیر میری ضمانت دینے کے لئے تیار تھا لیکن آپ لوگوں کی وجہ سے میں نہ مانا اور ہجرت کی زندگی اپنائی اگر میں بھی محمد علی کی طرح کمینگی کرنا چاہوں تو محمد علی پر زندگی حرام ہو جائے۔ میں ماسکو پہنچ کر روسی لیڈروں سے محمد علی کا کچا چٹھا بیان کروں کہ اس نے روپے پیسے کے معاملے میں کس قدر خیانت کی ہے تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ اس سے آپ بھی بخوبی واقف ہیں۔ محمد علی نے کابل سے ایک ہزار پونڈ اپنی والدہ کو بھیجے اس کے علاوہ اپنے سکریٹری کی بیوی کو بھی آٹھ سو پونڈ دیئے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے بھی کئی سو پونڈ اپنی والدہ کو بھیجے تھے اور یہ ساری رقم آپ نے میرے کھاتے میں ڈال دی تھی"۔

یہ باتیں سن کر ڈاکٹر نور محمد کے تو ہوش اڑ گئے۔ وہ گڑگڑانے اور معافی مانگنے لگے اور کہا :-

"شیدائی ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ ان سب باتوں کو بھلا دو اور میں محمد علی اور ظفر حسن کو بھی سمجھا دوں گا"۔

ڈاکٹر نور محمد نے خوشی محمد (محمد علی) کو یہ روداد سنائی تو اس کا ڈر کے مارے برا حال ہو گیا۔ تاشقند پہنچ کر اس نے اقبال شیدائی صاحب کو ایک خط لکھا کہ :

"شیدائی خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں"۔

اور شیدائی نے واقعی اسے معاف کر دیا اور اس کے اس معافی نامے سے کبھی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی اگرچہ خوشی محمد اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور شیدائی صاحب کو گرفتار کروانے اور قید میں ڈلوانے کی بھی اس نے کوشش کر دیکھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بخارا سے یہ قافلہ جس میں اب نو ارکان شامل تھے۔ تاشقند پہنچا۔ خوشی محمد کی لیڈری تاشقند میں بھی کچھ کام نہ آئی۔

صرف اتنا ہوا کہ قافلے کو ایک مکان میں ٹھہرا دیا۔ یہ مکان کافی بڑا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ انقلاب سے پہلے کسی مالدار روسی کا مکان تھا۔ اس مکان کی بالائی منزل قافلے کو رہنے کے لئے دے دی گئی تھی۔ اس سے زیادہ کسی نے نہ پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ غرضیکہ اسی کسمپرسی کے عالم میں دو تین دن گذار کر یہ قافلہ ماسکو کے لئے ٹرین میں سوار ہوا اور جس طرح کہ کرکی سے بخارا کا سفر طے کیا تھا۔ اسی طرح سلیپنگ کار میں ۶، ۷ دن کے سفر کے بعد نومبر کے آخر میں یہ قافلہ ماسکو پہنچ گیا۔

ماسکو میں مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ساتھیوں کو سرکاری مہمان کی حیثیت سے لکس ہوٹل میں قیام کے لئے ایک بڑا کمرہ دیا گیا تھا۔ اس کمرے میں ہاتھ منہ دھونے کا انتظام تھا لیکن غسل خانہ نہیں تھا لکس ہوٹل اس زمانے میں ماسکو کے اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں سے تھا اور دوسری حکومتوں کے معزز مہمانوں کو اسی ہوٹل میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ روسی کمیونسٹ کے بعض با اثر رہنما اس وقت اس ہوٹل میں مقیم تھے۔

© rasailojaraid.com